عہدِ بابر کی علمی سرگرمیاں

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے، ایل ایل بی
(سابق رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اترپردیش)

علم و ادب کی سرپرستی ہمیشہ سے اسلام میں لوازم جہانبانی کے اندر محسوب ہوا کی ہے مغل تاجدار بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ انھوں نے بھی اس دیرینہ ثقافتی روایت کو برقرار رکھنے میں ذمہ دارانہ فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ ہندوستان میں مغل سلطنت کا بانی بابر ہے۔ اُس کی پوری زندگی معرکہ آرائی ہی میں گزری۔ مگر اپنی سیاسی اور جنگی مصروفیتوں کے باوجود میدانِ کارزار کا یہ نبرد آزما تیغ زن نہ صرف یہ کہ علم و ادب کی سرپرستی کے لئے وقت ڈھونڈ لیتا تھا، بلکہ خود بھی ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ علمی ذوق رکھتا تھا۔

سطورِ ذیل میں اس کی علمی سرپرستی اور اُس کے عہد کی علمی و حکمی سرگرمیوں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) بابر کا عہدِ حکومت

سابق حملہ آوروں کی طرح بابر بھی ابتداءً وسطِ ایشیا ہی کی سیاست میں اُلجھا ہوا تھا، مگر واقعات نے کچھ ایسی کروٹیں لیں کہ وہ وہاں سے مایوس ہو کر مشرق کی طرف توجہ کرنے اور بالآخر ہندوستان میں سلطنت قائم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح ہندوستان کی تاریخ میں ایک بالکل ہی نئے باب کا افتتاح ہوا، کیونکہ نئی سلطنت کے قیام سے نہ صرف حکومت اور اندازِ جہانبانی ہی میں انقلاب آیا، بلکہ ثقافتی بالخصوص علمی و تعلیمی نقطۂ نظر میں بھی بنیادی تبدیلیاں پیدا ہوئیں، جنھوں نے اگلی صدیوں میں ملک کے اندر دیرپا اثرات ثبت کئے۔

اس حیثیت سے بابر کا عہد نہ صرف اس ملک کی سیاسی تاریخ میں بلکہ علمی و ادبی تاریخ میں بھی نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور اس لئے ایک خصوصی اعتناء و اہتمام کا مقتضی ہے۔

خاندان اور ابتدائی زندگی بابر جس کا پورا نام ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ تھا، تیمور لنگ کی چھٹی پشت میں تھا۔ تیمور کا تیسرا بیٹا میران شاہ باپ کی جانب سے عراق و آذربائجان کا والی تھا۔ مگر قرا یوسف کے ساتھ لڑائی میں سنہ ۸۱۰ھ میں مارا گیا۔ میران شاہ کا پوتا ابوسعید مرزا تھا، جو الغ بیگ کے بعد تخت تیموری کا وارث ہوا۔ ابوسعید مرزا ۸۷۳ھ میں ازون حسن پسر قرا یوسف خاں سے جنگ کر قید ہوا اور اسی قید میں قتل ہوا۔ ابوسعید مرزا کے چار بیٹے تھے جو مختلف اقطاع ماوراءالنہر کے والی تھے۔ چوتھا بیٹا عمر شیخ مرزا فرغانہ کی ولایت کا والی تھا، جس کا دارالسلطنت اندجان تھا۔ ۸۹۹ھ میں وفات پائی اور بابر اُس کا جانشین ہوا۔

بابر ۸۸۸ھ میں پیدا ہوا۔ ماں کا نام قتلق نگار خانم تھا، جو یونس خاں والیٔ کاشغر کی بیٹی، سلطان محمود کی بڑی بہن تھی۔ مولانا حسامی قراکولی نے تاریخ ولادت کہی ؎

چو در شش محرم زاد آں شہ کرم تاریخ مولدش ہم آمد "شش محرم"

تخت نشینی اور برادرانہ خانہ جنگیاں بابر کی عمر ابھی پورے بارہ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اُسے ملک کی ذمہ داریوں کو سنبھالنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تیموری خاندان کا ستارۂ اقبال غروب ہوا چاہتا تھا اور پوری قلمروِ تیموریہ پر برادرانہ خانہ جنگی کی نحوست منڈلا رہی تھی۔ نوعمر بھتیجے کے تخت نشین ہوتے ہی حقیقی چچا احمد مرزا نے حملہ بول دیا، مگر ناکام ہو کر لوٹ گیا۔

ادھر اس خورد سال حوصلہ مند بابر کی ہمت بلند بھی اندجان کی مختصر حکومت پر قناعت نہ کر سکی اُس کی حوصلہ آزما آنکھیں سمرقند کی طرف اُٹھنے لگیں جو تیموری اقتدار کی شوکتِ دیرینہ و عظمت کا مرکز تھا۔ گیارہ سال تک جواں سال بادشاہ ماوراءالنہر کی خانہ جنگیوں میں مشغول رہا۔ اس میں تین مرتبہ سمرقند کو فتح کیا، مگر ہر مرتبہ ہاتھ سے نکل گیا۔

اس اثناء میں معدودے چند سپاہیوں کی ہمراہی میں بدخشاں کی طرف متوجہ ہوا اور سنہ ۹۱۰ھ

لیا، وہاں کا انتظام کرنے کے بعد کابل پر حملہ کیا اور اُسے محمد مقیم مرزا پسر ذوالنون ارغون سے چھین کر قبضہ
ر لیا، لیکن ہنوز ملک موروثی کی بازیابی کی ہوس دل سے نہ نکلی تھی۔ لہٰذا ۹۱۷ھ میں پھر فتح سمرقند
رادے سے چلا۔ اس عرصہ میں ایران کے اندر انقلاب آچکا تھا اور ۹۰۸ھ میں وہاں صفوی سلطنت
ہو چکی تھی۔ تیموری شاہزادوں کی طرح نئے صفوی تاجدار کو بھی ازبکوں سے خطرۂ عظیم لاحق تھا لہٰذا
نے شاہ اسمٰعیل صفوی سے اس بارے میں سازباز کی۔ شاہ اسمٰعیل نے بابر کی مدد کے لئے نجم ثانی کو
فوج دے کر روانہ کیا، اور غجدوان کے قلعہ کے نیچے گھمسان کی لڑائی ہوئی، مگر بابر اور نجم ثانی میں صفائی
ن، اس لئے شکست ہوئی۔ نجم ثانی مارا گیا اور بابر کو کابل لوٹنا پڑا۔

دستان پر حملے اب بابر تیموری وراثت کی بازیابی سے مایوس ہو گیا اور اُس کی حوصلہ مندی نے اپنے لئے
دستان کو منتخب کیا۔ ویسے بھی یورشوں کا سلسلہ اُس نے فتح کابل (۹۱۰ھ) کے بعد ہی سے شروع کر دیا تھا۔
ن جب ۹۲۳ھ میں سکندر لودھی کی وفات پر اس کا بیٹا ابراہیم لودھی بادشاہ ہوا اور اُس کے غرور و تکبر
پٹھان اُمرا ناراض ہو گئے تو ہندوستان کی فتح کا خواب جلد ہی پورا ہوتا نظر آنے لگا۔

چنانچہ محرم ۹۲۵ھ میں ہندوستان کے ارادے سے روانہ ہوا اور بھیرہ تک آیا، جہاں سے چار لاکھ
رفیاں وصول کیں، اس کے ساتھ ملا مرشد کو سفیر بنا کر ابراہیم لودی کے دربار میں روانہ کیا۔ مگر دولت خاں
م لاہور نے سفیر مذکور کو روک کر واپس کر دیا۔ ۹۳۰ھ میں پھر یورش کی۔ اس مرتبہ لاہور تک آیا۔ مگر پھر
ٹ گیا۔ آخری حملہ ۹۳۲ھ میں کیا۔ اس مرتبہ ہمایوں بھی بدخشاں سے آکر شریک ہو گیا۔ دریائے سندھ
بور کر کے پہلے کچھ کوٹ پر قیام کیا۔ وہاں سے بڑھ کر قلعہ ملوٹ کو فتح کیا۔ قلعہ ملوٹ کی فتح میں غازی خاں
تب خانہ ہاتھ لگا جس کا ایک حصہ ہمایوں کو بخش دیا اور باقی کامراں کے واسطے کابل بھیج دیا۔ آگے
ھا تو خبر ملی کہ ابراہیم لودی ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھیوں کے ساتھ آ رہا ہے۔ لہٰذا پانی پت کے
رگی میدان میں ٹھہر کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

۸ رجب ۹۳۲ھ کو پانی پت میں پہلی لڑائی ہوئی۔ شروع میں پٹھانوں کا پلہ بھاری رہا۔ مگر آخر میں فتح
بابر ہی کی ہوئی اور ابراہیم لودی پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ مارا گیا۔

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی تاسیس اور مشکلات | ۲ار رجب کو بابر دہلی میں جاکر باقاعدہ تخت ا
متمکن ہوا۔ اُس کے بعد آگرے کی طرف چلا اور ۲۱ رجب کو اُسے بھی قبضہ میں لے لیا، بے شمار مال
غنیمت میں ہاتھ لگا۔ اس مال غنیمت سے فیاض بادشاہ نے مغلوں کو دل کھول کر انعامات د
بیان تک کہ کابل و ماوراء النہر کے عوام تک کو فی کس ایک شہ رخی بطور انعام بھیجی۔ اس کے سا
بالخصوص ابراہیم لودی کے متعلقین کو داد و دہش کے ذریعے راضی کرنے کی کوشش کی، مگر اُن
کدورت نہ نکل سکی۔ لودی امرا ابراہیم سے ناراض ضرور تھے اور اُنھوں نے بابر سے اُس ؛
خواہش بھی کی تھی، مگر اُن کو یہ گمان تک نہ تھا کہ وہ ہندوستان فتح کرکے یہیں رہ پڑے گا۔ اُن کا
تیمور کی طرح وہ بھی لوٹ مار کرکے واپس چلا جائے گا اور وہ اپنے طور پر ہندوستان کو آپس میں
مگر ایسا نہ ہوا اور وہ یہیں رہ پڑا۔ لہٰذا افغان سردار مخالفت پر اُتر آئے اور دہلی اور آگرہ
پورے ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ بدایونی نے لکھا ہے :-

"اگرچہ دہلی و آگرہ در حیطہ تصرف در آمدہ بود، اما اطراف و جوانب را مخالفان داشت
حصار سنبل قاسم سنبلی داشت، و در قلعہ بیانہ نظام خاں و میوات را حسن خاں میوا
و دھولپور را محمد زیتون و حصار گوالیر را تاتار خاں سارنگ خانی و رابڑی را حسین خا
لوحانی و اٹاوہ را قطب خاں و کالپی را عالم خاں و مہاون را کہ متصل آگرہ است مرغو
نام غلام سلطان ابراہیم و قنوج و سائر بلادے کہ آں طرف دریائے گنگ واقع شدہ ا
در دست افغاناں بود بسر کردگی نصیر خاں لوحانی و معروف فرملی کہ با سلطان ابراہیم
مخالفت داشتند۔"[1]

چنانچہ نصیر خاں لوحانی اور معروف فرملی نے بہار خاں پسر دریا خاں کو سلطان مح

---

[1] روز خمیس بست و چہارم ربیع الاول (۹۳۲ھ) قلعہ ملوٹ بدست اولیائے دولت قاہرہ مفتوح شدہ ا
بدست اولیائے دولت قاہرہ کتابہائے غازی خاں کہ دریں قلعہ بود آوردند۔ بعضے را بحضرت جہانبانی مکرمت فرمودند
بعضے را ارمغانی کامران مرزا ساختند۔ (اکبر نامہ جلد اوّل صفحہ ۹۴)

بادشاہ بنالیا تھا، اس طرح لودی باز انقلاب کا خطرہ بہت بڑھ گیا، جس کا تدارک ناگزیر تھا۔
لیکن افغان امرا سے زیادہ مایوسی رانا سانگا کو ہوئی جو دو سلاطین حیائیت پسندوں کی تنگ نظری اور تعصب پسند ہندوؤں کی زور آزمائی میں ہندو سلطنت کے احیا کا خواب دیکھ رہا تھا، سارے ہندو راجہ اُس کے جھنڈے تلے آکر شریک ہو گئے۔ شروع میں مسلمان امرا بھی "قومی یکجہتی" کے دل خوش کن فریب میں آکر اُس کے ساتھ آملے۔ ان میں پیش پیش حسن خاں میواتی تھا، جسے بابر "کافر کلمہ گو" کے نام سے یاد کرتا تھا۔
بدایونی نے لکھا ہے:-

"دراں زماں کہ فردوس مکانی بادشاہ ہندوستان گردید، قریب یک لک راجپوت در ظلِ رایت او بودند و بسیارے از اُمرائے سلطان ابراہیم کہ ہنوز بفردوس مکانی ایں نشدہ بودند، با او دم از یکجہتی زدند...... وراجہائے مارواڑ...... با پنجاہ ہشصت ہزار سوار راجپوت مطیع او گشتند و حسن خاں میواتی با دہ ہزار سوار معاون او گشتہ 'بقصد جنگ استخلاص ہندوستان با دو لک سوار متوجہ آگرہ شدند"

اس طرح اس وقت بابر دو دشمنوں میں گھرا ہوا تھا: مشرق میں لوحانی پٹھان تھے جو ابراہیم لودی کے قتل کے باوجود لودی سلطنت کو بہار خاں ولد دریا خاں کی زیرِ سرکردگی قائم رکھنے میں کوشاں تھے اور مغرب میں رانا سانگا اور اُس کے احیائیت پسند ساتھی تھے جو دو مسلمان حکمرانوں کی خونی کشمکش میں قدیم ہندو امپیریلزم کے احیاء کا خواب دیکھ رہے تھے، اگرچہ انھوں نے اپنے مسلمان ساتھیوں کی دلبری کے لئے اپنے منصوبوں پر ایک طرح کی قومی آزادی کی تحریک کی چھاپ لگادی تھی۔
سوال یہ تھا کہ ان دونوں میں کون زیادہ خطرناک تھا۔ اس لئے بابر نے اُمرا کی کنگاش (مجلسِ مشاورت) بلائی۔ مگر بابر کی طرح اُس کے امرا بھی حقیقت پسند نہ تھے۔ انھوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ ماوراء النہر کی سیاست سے ہندوستان کی سیاست قطعاً مختلف تھی: وہاں انھیں یا تو تیموری شہزادوں کی برادرانہ خانہ جنگی میں حصہ لینا پڑتا تھا، یا پھر ایک ایسے غیر شخص (اوزبک) کے مقابلہ میں، جو اپنی اقتدار کی ہوس کے باوجود معاشرتی (بالخصوص مذہبی) نظام میں کسی تبدیلی پر راضی نہیں تھا۔ لہٰذا انھوں نے لوحانیوں کے

باز انقلاب ہی کو زیادہ اہمیت دی اور احیائیت پسندوں کے خطرے کو نظر انداز کر دینے پر نظا
بقول ابوالفضل :-

"و بعد از کنگاش اُمرائے عظام رائے دولت پیرائے براں قرار گرفت کہ چوں راناسا
و الغض بکابل می فرست و لاف اطاعت زدہ دم نیکوخواستی می زد و ازیں کہ چندگاہ عرف
او نیا مدیا قلعہ کھنڈ ورا از حسن ولد مکن گرفتہ، تا دولت خواہی او مشخص نمی شود، قبا
حقیقت کار او دفع لوحانیاں مقدم دانستہ بجانب شرق نہضت کرد"

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی: لودیوں اور اُن کے ہوا خواہوں (لوحانیوں) کا ستا
غروب ہو چکا تھا۔ اگر اُس کے پھرنے کے دن ہی ہوتے تو ابراہیم لودی اس شوکت و حشمت کے باو
سے کیوں کھیت رہتا۔ رہا رانا سانگا تو اُس کی مسکینی اور دنداں نمائی اور "نیکوخواستی" اُس
پسندانہ عزائم کا وقتی پردہ تھیں۔

واقعات نے بھی کنگاش کے فیصلہ کی سخافت کو ظاہر کر دیا۔ لوحانی ایک تادیبی مہم کی
نصیر خاں جو اُن کا کرتا دھرتا تھا، ہمایوں کے مقابلے میں جسے اس مہم کی انجام دہی تفویض کی گئی تھی
نہ ٹھہر سکا اور بلا مقابلہ کے مفرور ہو گیا۔ ابوالفضل لکھتا ہے :-

"دریں اثنا حضرت جہانبانی بموقف عرض رسانید کہ ایں خدمت اگر بعہدۂ من مقرر شو
چناں است کہ ایں مہم چنانچہ پسند خاطر اقدس تواند بود، بتقدیم رسد۔ ایں درجہ قبول
روز پنجشنبہ دہم ذی قعدہ از آگرہ بر آمدہ در سہ کروہے شہر نزول اقبال فرمودند۔ نصیر
درجاجمو لشکرے فراہم آوردہ گستہ شد، از پا زدہ کروہے رایات نصرت اقتران فرار
ادھر احیائیت پسندوں کی تعجیل غربائی نے بہت جلد اُن کے چھپے ہوئے عزائم مشؤمہ کو بے نقاب
مختلف شہر اور قصبات کو مسلمان حکام کے قبضہ سے نکالنے ہی پر اور ہندو سربراہ کار متعین کرنے
کیا، انھوں نے مساجد و معابد میں مورتیاں رکھ کر بہت جلد فریب خوردہ لودی اُمراء کی آنکھوں
وابلہ فریبی کی پٹی کھول دی اور انھوں نے اسلام دشمنی و مسلم کُشی کے اُس خطرے کو بہت جلد بھانپ لیا

وطنی منافقت کے پُرفریب نعروں میں پنہاں تھا۔

یوں بھی بابر کے پٹھان مخالفین اُس سے کہیں زیادہ حقیقت پسند اور دُور اندیش تھے۔ اُنھیں اپنے ہم وطن احیائیت پسندوں کا زیادہ تجربہ تھا اور وہ اس روزِ بد کے لئے تیار نہ تھے جو اُن کے ہوسِ اقتدار کے نتیجے میں صاف نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا انھوں نے مغل بالادستی کے اندر ہندوستان میں اسلام کی بقاء کو اپنی خود مختاری پر (جو بہرحال محتمل الطرفین تھی) ترجیح دینے میں زیادہ تاخیر روا نہ رکھی۔ اگر خدانخواستہ پٹھانوں نے بھی مغلوں کی طرح ہوسِ اقتدار کی پیروی کی ہوتی تو نتیجہ بڑا خطرناک ہوتا۔

بہرحال علماء و مشائخ کی رہنمائی سے پٹھان اُمراء کی آنکھیں بہت جلد کھل گئیں اور اُنھوں نے اس ملک میں اسلام کی بقاء کی خاطر اپنی حریت و آزادی کو قربان کر دیا۔ چنانچہ نظام خاں میر رفیع الدین صفوی کے فرمانے سے بیانہ کے قلعہ سے دستبردار ہو کر مغلوں کا طوقِ ملازمت گلے میں ڈالنے پر آمادہ ہوا۔

"و دریں سال نظام خاں حاکم بیانہ بوسیلہ خدمت منبع البرکات امیر رفیع الدین صفوی آمدہ زمین بوس نمود و قلعہ بیانہ را سپرد"

اسی طرح تاتار خاں سارنگ خانی نے شیخ محمد غوثؒ کی رہنمائی سے قلعہ گوالیر بابری حکام کے سپرد کر دیا۔ بدایونی نے لکھا ہے:-

"و تاتار خاں سارنگ خانی نیز بعد از گرفتن راناسانگا قلعہ کھنڈوار او غلبۂ کفار اول عرائض بپادشاہ فرستاد کہ قلعہ گوالیر را می سپارم ...... برہنموئی شیخ محمد غوث ...... بتدبیر متین در قلعہ درمی آیند و قلعہ را خواہی نخواہی از تاتار خاں گرفتہ او را بملازمت بابر بادشاہی فرستند"

کالپی کے امیر عالم خاں نے بھی اسی روش کو اختیار کیا اور ہندوستان میں اسلام کی بقاء کی خاطر کالپی کے تخت و تاج کو قربان کر دیا۔ ابوالفضل لکھتا ہے:-

"بنا بر آنکہ عالم خاں کالپی را داشت و تدارک مہم او از ضروریات تدبیر ملک بود، مرو عساکر منصور بہ صوبہ کالپی انداختند و بمقدمات اُمید و بیم او را در سلک بندگان درآوردہ، در رکاب خود بدرگاہ گیتی پناہ آوردند"

بہرحال امرائے قدیم نے بہت جلد احیائیت پسندوں کے عزائم مشومہ کو بھانپ لیا اور جلدی وہ مطیع فرمان ہو گئے۔ ابوالفضل لکھتا ہے:۔

"رفتہ رفتہ بسیارے از امرائے ہندوستان و سرداران ایں ممالک آمدہ شرف خدمت دریافتہ"

اب مغلوں کو بھی اصل خطرے کی اہمیت کا اندازہ ہونے لگا، بالخصوص جبکہ بابر کے داماد مہدی خواجہ نے اُس نے بیانہ کا والی بنایا تھا، احیائیت پسندوں کی تیاریوں کی تفصیل اپنے خسر کو لکھنا شروع کی۔ ابوالفضل لکھتا ہے:۔

"دریں ایام پیوستہ از مہدی خواجہ کہ در بیانہ بود عرائض می آمد و از شورش رانا سانگا خبر"

بابر کو بھی اپنے سوء تدبیر کا احساس ہونے لگا اور اُس نے اس عظیم خطرے کے تدارک کے لئے کمر کسی۔ مگر اب بلی تھیلے سے نکل چکی تھی۔

رانا سانگا دو لاکھ کی جمعیت کے ساتھ بیانہ کی طرف بڑھا اور ممالک محروسہ پر دست درازی۔ زاں بعد فتح پور سیکری کی طرف روانہ ہوا۔ بابر بھی اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ مقابلے کے لئے روانہ ہوا مگر راجپوتوں کے اس جم غفیر سے بعض اُمرا کے دل ہل گئے اور وہ کابل چلے جانے کا مشورہ دینے لگے۔ اتنے میں قدیم درباری منجم محمد شریف بھی آ گیا۔ اُس نے پیشین گوئی کی کہ مریخ مغرب میں ہے، اس لئے شکست یقینی ہے۔ اس سے اور بھی بددلی پھیلی۔ بابر لکھتا ہے:۔

"محمد شریف منجم شوم نفس، اگرچہ یارائے گفتن بمن نداشت، بہر کس کہ وامی خورد، بمبالغہ می گفت کہ دریں ایام مریخ بطرف غرب است، ہر کس ازیں طرف جنگ کند، مغلوب می شود و ایں چنیں شوم نفس را کہ پرسیدند دل مردم بیدل بیشتر شکست" (بابر نامہ ص ۳۰۶)

لیکن بابر نے ساتھیوں کے سامنے ایک پُر جوش تقریر کی۔ نیز شراب اور دیگر مناہی سے توبہ کرلی۔ اُمرا کی تقریر کا اثر ہوا اور انھوں نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ مرتے دم تک مقابلہ کریں گے۔

آخر کار ۱۳ جمادی الاول ۹۳۳ھ کو کانوہ کے مقام پر فریقین میں مقابلہ ہوا۔ جس میں کشت و خون بسیار کے بعد بابر کی فتح ہوئی، رانا سانگا بیشمار زخم کھا کر میدانِ کارزار سے بھاگ گیا۔ بابر نے

زخم رسیدہ دشمن کا تعاقب مروّت سے بعید تھا۔ حسن خاں میواتی مارا گیا۔

اس طرح احیائیت پسندوں کا خطرہ ٹل گیا، ورنہ سیاسی تاریخ کے ساتھ ثقافتی اور علمی تاریخ کا بھی رُخ بدل جاتا۔

استحکام مملکت کی تدبیریں | اس عرصہ میں افغانوں نے اپنی منتشر قوت کو یکجا کر لیا تھا اور وہ پھر پورب میں سرکشی پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بابر بھی راجپوتوں سے نبٹ کر ان کی سرکوبی کے لئے چلا۔ افغان قنوج سے، جہاں وہ جمع تھے، پیچھے ہٹ کر دریائے گنگا کے دوسرے کنارے اُس کا انتظار کرنے لگے۔ بابر نے عارضی پُل بنا کر دیکھتے ہی دیکھتے پوری فوج دوسرے کنارے پر اُتار دی۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، افغان بھی بڑی بہادری سے لڑے۔ مگر اُن کا ستارۂ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ لہٰذا بڑے انتشار کے عالم میں بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

بابر لوٹ کر آگرہ آیا۔ مگر اُسے زیادہ آرام کا موقع نہیں ملا، کیونکہ جلد ہی افغانوں کے دوسرے اجتماع کی خبر آئی جو اُس کے خلاف بہار میں ہو رہا تھا۔ اس وقت بابر دھولپور میں تھا۔ جہاں سندھ کی تسخیر کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ مگر یہ خبر سُنتے ہی آگرہ آیا، جہاں سے اس نئے خطرہ کے تدارک کے لئے پھر پورب کی طرف روانہ ہوا۔ افغانوں کی جمعیت ایک لاکھ کے قریب تھی، مگر وہ اُس کے پہونچنے کی خبر سُنتے ہی منتشر ہو گئے۔

اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ ان افغانوں کو بادشاہ بنگال کی شہ حاصل تھی۔ اس لئے بابر اُس کی تادیب کے لئے روانہ ہوا۔ گنگا اور گھاگرا کے سنگم پر جنگ ہوئی، جس میں افغانوں کو پھر شکست ہوئی۔ بابر نے بنگال پر قبضہ نہیں کیا، صرف وہاں کے بادشاہ سے مصالحت کر کے واپس چلا آیا۔

آخری زمانہ اور وفات | اگلے سال ہمایوں سخت بیمار ہوا اور جیسا کہ مشہور ہے، بابر نے اُس کی صحت یابی کے لئے اپنی جان کی نذر مانی۔ بابر کی دعا قبول ہوئی، ہمایوں تندرست ہو گیا اور ۶ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ کو ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے بانی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ خواجہ کلاں بیگ نے مرثیہ لکھا:-

بے تو زمانہ وفلک بے مدار حیف ؛ باشد زمانہ و تو نباشی ہزار حیف

(۲) بابر کی علم دوستی و معارف پروری

بابر ایک کشور کشا فاتح اور بلند حوصلہ سپہ سالار ہی نہیں تھا، وہ علم و فضل کا بھی قدر شناس تھا اور

خود ایک ستھرا علمی وادبی ذوق رکھتا تھا۔ اُسے بارہ سال کی عمر میں شفقتِ پدری سے محروم ہونا پڑا۔ ظا
اس عمر میں اُس کی علمی وادبی تربیت کیا ہوئی ہوگی۔ اس کے بعد تخت نشینی سے تختۂ مرگ تک اُس کی
زندگی رزم آرائیوں اور کشور کشائیوں کی ایک مسلسل داستان ہے۔ بااینہمہ کچھ تو تیموری خاندان کی علمی
نے اور کچھ خود اُس کے اُفتادِ مزاج نے اُسے نہ صرف رسمی علم و ادب سے، بلکہ اصطلاحی علم و فضل سے بھی
بنا دیا۔ دیگر آباؤ اجداد کی طرح وہ محض شعر و سخن ہی کا مذاق نہیں رکھتا تھا، بلکہ علومِ مروّجہ مثلاً فقہ و تص
میں بھی دستگاہِ عالی رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ رائج الوقت علومِ عقلیہ اور فنونِ حکمیہ سے بھی بے بہرہ نہ تھ
جس کا اندازہ اُن نپی تُلی رایوں اور بے لاگ تبصروں سے ہوتا ہے جو اُس نے اپنے معاصر علماء و فضلا
بارے میں قلمبند کئے ہیں۔

دستگاہِ علمی | بابر کی دستگاہِ علمی کے بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے:-

"و آنحضرت را در نظم و نثر پایہ عالی بود، خصوصاً در نظمِ ترکی"

تقریباً اسی رائے کا اعادہ بعد کے مؤرخین نے کیا ہے۔ اُس کے ترکی دیوان کے بارے میں ابوالفضل نے لکھا

"دیوانِ ترکی آنحضرت در نہایت فصاحت و عذوبت شدہ و مضامین تازہ در آں مندرج است"

دیوان کے علاوہ اُس نے ایک مثنوی بھی لکھی تھی، اُس کے بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے:-

"و کتابِ مثنوی کہ مبیّن نام دارد، تصنیفے است مشہور و نزد زبانِ دانایان بایں لغت بمزیت
تحسین مذکور"

ترکی کے علاوہ وہ فارسی میں بھی کبھی کبھی شعر کہتا تھا۔ اُس کے یہ دو مطلعے ابوالفضل کے زمانہ میں بہت مشہور

ہلاک می کندم فرقتِ تو دانستم ÷ وگرنہ رفتن ازیں شہر می توانستم
تا بزلفِ سیہش دل بستم ÷ از پریشانی عالم رستم

اُس کی یہ رباعی بھی مشہور تھی:-

درویشاں را گرچہ نہ از خویشانیم ÷ لیک از دل و جاں معتقد ایشانیم
دور است مگوئے شاہی از درویشی ÷ شاہیم و لے بندۂ درویشانیم

بابر نہ لذت پرست (HEDONEST) تھا نہ منکرِ حشر و نشر۔ بااینہمہ اپنی دلکشی کی وجہ سے اُس کا یہ شعر زبان زدِ عوام ہو گیا ہے:۔

نوروز و نوبہار و مے و دلبرا خوش است ÷ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

سلیس اور پاکیزہ نثر لکھنا جو پیشہ ور انشا پردازوں کے تکلفاتِ باردہ سے پاک و صاف ہو، تیموری خاندان کا خاصہ ہے۔ اس بے تکلف لہجہ کے ساتھ اگر اُن کی صدق بیانی اور دیانتداری کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو اُن کی یہ نگارشات اپنی نوعِ ادب کے کلاسکس میں محسوب ہونے کے مستحق ہیں۔ بابر نثر نگاروں کے اس خاندان کا واسطۃ العقد تھا۔ اُس کی تزک جس کا بعد میں اکبر کے ایماء سے مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا، ترکی ادب، تاریخ اور انتظامِ جہانبانی کے شاہکاروں میں محسوب ہوتی ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے:۔

"و واقعات خود را از ابتدائے سلطنت خود تا ارتحال از قرار واقع بعبارت فصیح و بلیغ نوشتہ اند کہ دستور العملے است بجہت فرمانروایانِ عالم و قانونے است در آموختن اندیشہائے درست و فکرہائے صحیح برائے تجربت پذیراں و دانش آموزانِ روزگار" (اکبرنامہ جلد اول ص۱۱۱)

نظم و نثر پر قدرتِ کلام کے علاوہ اُسے فنِ عروض میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ ابوالفضل لکھتا ہے:۔

"و آنحضرت را در عروض رسائل شریف است و از انجملہ کتابے است مفصل کہ شرح آں فن تواند بود"

عروض میں اُس کی واقفیت محض نظری حد تک ہی نہیں تھی، عملاً بھی وہ اس میں ماہر تھا۔ چنانچہ اپنے ایک بیت کے بارے میں کہتا ہے کہ پانچ سو چار طرح اُس کی تقطیع کی جا سکتی ہے:۔

"در ہمیں ایام ایں بیت خود را کہ در پانصد و چہار وزن تقطیع کردم"

ادبی ذوق کے علاوہ اُسے فنونِ متداولہ میں بھی درک حاصل تھا، چنانچہ حنفی فقہ میں اُس نے ایک کتاب "مبیَّن" کے نام سے لکھی تھی، جس کی شیخ زین نے "مبیِّن" (بکسر یا) کے نام سے شرح لکھی تھی۔ بدایونی نے لکھا ہے:۔

"و کتابے دارد در فقہ حنفی مبیَّن نام (بفتح یائے مثناۃ) و شیخ زین الدین شرح بداں نوشتہ مبیِّن (بکسر یا)

اسی طرح جب وہ ایک مرتبہ بیمار ہوا تو شیخ عبیداللہ احرار رحمہ اللہ کے رسالہ "والدیہ" کو نظم کرنے کی نذر مانی، چنانچہ خود لکھتا ہے:۔

" پس خواستۂ آن دریکشنبہ تپ کردہ اندک لرزیدم۔ شب سہ شنبہ بست و ہفتم صفر نظم کردن والدیہ حضرت خواجہ عبید در خاطر گزشت۔ التجا بروح حضرت خواجہ کردہ در دل خود گزرانیدم کہ اگر این مقبول آنحضرت می شود..... من ہم ازین عارضہ خلاص شدہ دلیل قبول نظم من خواہد شد۔ ہمیں در وزن رمل مسدس مخبون عروض و ضرب گاہ ابتر گاہ مخبون محذوف کہ بحر مولانا عبدالرحمٰن جامی وزن است در نظم رسالہ شروع کردم۔ ہم آن شب سیزدہ بیت گفتہ شد۔ بطریق التزام ہر روز دہ کمتر گفتہ نمی شد۔ غالباً یک روزے ترک شدہ..... روز شنبہ ہشتم ربیع الاول نظم سخنان رسالہ باختتام رسید۔ ہر روز پنجاہ و دو بیت گفتہ " (بابرنامہ ص۲۲۷)

اس رسالے کے بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے :۔

" رسالہ والدیہ خواجہ احرار را کہ دُردانہ ایست از بحر معرفت در سلک نظم کشیدہ اند بغایت مطبوع (اکبرنامہ)

بابر نے ایک نیا خط بھی اختراع کیا تھا جسے وہ خطِ بابری کے نام سے موسوم کرتا تھا اور اس خط میں قرآن اکثر کہ معظمہ بھیجا کرتا تھا۔ بدایونی نے لکھا ہے :۔

" و از جملہ اختراعات آن شاہ مغفرت پناہ خطِ بابری است کہ مصحفے بآں خط نوشتہ بمکہ معظمہ فرستادہ اکثر وہ اس خط مخصوص میں قطعے لکھ کر ہمایوں اور دوسرے لوگوں کو بھیجا کرتا تھا، چنانچہ اپنی " تزک " میں ایک جگہ لکھتا ہے :۔

" از دست ملا بہشتی بہندال کمر خنجر مرصع..... و مفردات خطِ بابری فرستادہ شد۔ دیگر قطعہا نوشتہ بود فرستادہ شد و بہمایوں ترجمہ و اشعارے کہ بعد از آمدن ہندوستان گفتہ شدہ بود یا شدہ ترجمہ و اشعار بعد از ہند آمدن گفتہ شدہ و خطہائے کہ بخطِ بابری نوشتہ شدہ فرستادہ از دست مرزا بیگ طغائی بکامران ہم ترجمہ و اشعار بعد از ہند آمدن گفتہ شدہ و خطہا بابری نوشتہ فرستادہ شد " (تزک بابری ص۲۳۲)

علوم حکمیہ میں اُس نے کوئی کتاب نہیں لکھی مگر اُس کے تبصروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو اُس نے عنفوان میں ان علوم کی تعلیم بھی پائی تھی، یا اہلِ علم کی صحبت میں ان علوم کے اہم مسائل میں بصیرت بہم

ں تفصیل آگے آرہی ہے۔

ہ شناسی | مختلف علوم میں دستگاہ کے علاوہ بابر فضلائے روزگار کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا بھی بڑا جوہر
س مبصر تھا اور اس سے اُس کے تبحرِ علمی کی مزید تائید ہوتی ہے۔ مثلاً مولانا جامیؒ (المتوفی ۸۹۸ھ) کے بارے میں لکھتا ہے:

"از انجملہ یکے مولانا عبدالرحمٰن جامی بود۔ در علوم ظاہر و باطنی در زمانِ خود مثل ایشان مقتدا کسے نبود۔ شعر او خود
معلوم است۔ جناب مولانا از آں عالی تر است کہ بتعریف احتیاج داشتہ باشد۔ غرض ازیں مختصر گزشت کہ دریں
اجزائے مختصر از جہت تیمن و تبرک نام ایشان مذکور و شمہ از صفات ایشان مسطور شود"

جہ عبداللہ مروارید صدر کے بارے میں لکھتا ہے:

"پر فضائل کسے بود، قانون را مثل او کسے نواختہ..... انشا ہم خوب میکرد۔ شعر او نسبت بہ دیگر
حیثیات او فرود بود، اما شعر را خوب می شناختہ"

سید حسین اوغلاقچی کے بارے میں لکھتا ہے:

"در تاریخ نہصد و ہفتہ کہ من سمرقند را گرفتم، پیشِ من آمدہ بود، شعر اگرچہ کم گفتہ بود، ولے طورے
می گفت۔ اصطرلاب و نجوم را خوب می دانست"

ال الدین حسین گا ذرگاہی کے بارے میں لکھتا ہے: "اگرچہ صوفی نبود، متصوف بود"
"مجالس العشاق" کے بارے میں جو کچھ اُس نے لکھا ہے، اُس سے اُس کے تصلب فی الدین کا بھی اندازہ ہوتا ہے:

"اکثرے دروغ و بیمزہ و بے ادبانہ حرفہا نوشتہ۔ از بعضے سخنان بوئے کفر می شنوند۔ چنانچہ خیلے از انبیاء
و بسیارے از اولیاء را بمعشوق مجازی منسوب ساختہ"

بی و شعری صلاحیتوں کے علاوہ بابر علمی و حکمی صلاحیتوں کا بھی بڑا مبصر تھا، چنانچہ ملا شیخ حسین کے بارے میں لکھتا ہے:
"حکمیات و عقلیات و علم کلام را خوب می دانست۔ در اندکے از الفاظ بسیار سخن یافتہ گفتن و گو کردن اختراع او بود"

میر مرتاض کے بارے میں لکھتا ہے: "حکمیات و معقولات را خوب می دانست"

شیخ الاسلام سیف الدین احمد (علامہ تفتازانی کے پرپوتے) کے بارے میں لکھتا ہے:

"بسیار دانشمند کسے بود۔ علوم عربیہ و علوم نقلیہ را خوب می دانست۔ بسیار متقی و متدین کسے بود، اگرچہ
شافعی بود، ہمہ مذہب را رعایت می کرد"

اسی طرح میر جمال الدین محدث کے بارے میں لکھتا ہے: "در خراسان دانائے علم حدیث مثل او نبود"
میر عطاء اللہ مشہدی کے بارے میں لکھتا ہے:

"علومِ عربیہ را خوب می دانست۔ در قافیہ رسالہ فارسی نوشتہ۔ طورے نوشتہ عیبش ایں است کہ ابیات امثلہ